چاک پہ رکھے خواب

انتخاب و ترتیب: احمد حسین مجاہد

چاک پہ رکھے خواب

چاک پہ رکھے خواب

انتخاب و ترتیب

احمد حسین مجاہد

انصاف اور امن کا حصول

کتاب کے ذریعے

طلوعِ اوّل 2011

کتاب چاک پہ رکھے خواب

انتخاب و ترتیب احمد حسین مجاہد

ناشر محمد عابد

کمپوزنگ راشد حسین

سرورق عبدالحفیظ

مطبع شرکت پرنٹنگ پریس

قیمت 180 روپے

اہتمام اے سٹار پراجیکٹ

سٹیون ولیم ہاکنگ

کے نام

جس کی معذوری اُس کی قوّت ہے

ترتیب

سٹیون ولیم ہاکنگ

ڈاکٹر فرینک ہاکنگ اور ازابیل ہاکنگ کے ہاں 8 جنوری 1942ء کو جب سٹیون ہاکنگ کی پیدائش ہوئی تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ آگے چل کر یہ بچہ طبعیات اور فلکیات میں وہ استعداد بہم پہنچائے گا کہ ایک عالم انگشت بدنداں رہ جائے گا۔ خالقِ کائنات نے اس بچے کو گرہ کشائی اسرارِ کائنات کے لیے منتخب کر لیا تھا۔

سٹیون ہاکنگ 21 سال کا تھا جب شادی سے تین سال پہلے وہ Motor Neurone Disease کا شکار ہوا۔ اُس کے معالجوں کا خیال تھا کہ ہاکنگ دو یا تین سال کے عرصے میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے گا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

اُس کی بیوی جین سے جب پوچھا گیا کہ اُس نے ایک ایسے شخص سے شادی کیوں کی جس کے بارے میں عام رائے یہ تھی کہ وہ دو تین سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اُس کی بیوی نے کہا تھا کہ جب میں نے ہاکنگ سے شادی کی تھی اُس وقت مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں تھا کیونکہ اُس وقت ہر طرف آگ اور بارود کی حکمرانی تھی۔

آہستہ آہستہ ہاکنگ کے قویٰ مضمحل ہوتے رہے اور وہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو حرکت دینے سے قاصر ہوتا چلا گیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اُس کی آواز اُس کے

ہونٹوں سے سوکھے پتوں کی طرح جھڑنے لگی اور پھر وہ مکمل طور پہ معذور ہو گیا۔

ہاکنگ اپنے آپ کو خوش قسمت گردانتا تھا کہ بیماری کے باوجود وہ ایک فعال زندگی گزار رہا تھا اور تحقیق و دریافت کے کام میں جتا ہوا تھا۔

اپریل 1988 میں اُس کی پہلی کتاب A Brief History of Time منظرِ عام پر آئی تو ہر طرف تہلکہ مچ گیا۔ 2001ء میں ہاکنگ کی دوسری کتاب The Universe in a Nutshell شائع ہوئی۔ بعد میں اس کے مضامین کا مجموعہ Black Holes and Baby Universes بھی منصۂ شہود پر آیا۔

ایک ایسا بچہ جسے گھڑ سواری، تیراکی اور ایسے ہی دوسرے مشاغل میں مصروف رہنا اچھا لگتا تھا اور جو اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ ہنستا کھیلتا تھا، جب اپنے ایک طرف ڈھلکے ہوئے سر کو جنبش دینے کے قابل بھی نہ رہا تو اُس کے کرب کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں لیکن اس نے اپنی معذوری کو اپنے راستے میں حائل نہیں ہونے دیا بلکہ اسے اپنی قوت بنالیا۔

سٹیون ولیم ہاکنگ ہم سب کے لیے صحیح معنوں میں ایک Source of inspiration ہے۔

بندھی ہے گردشِ افلاک میری سانسوں سے
یہاں میں اپنے کسی کام سے نہیں آیا

OOO

"The only disability in life is a bad attitude."

Scott Hamilton

"It is a waste of time to be angry about my disability. One has to get on with life and I haven't done badly. People won't have time for you if you, are always angry or complaining."

Stephen W. Hawking

دیباچہ

اس جہانِ رنگ و بو میں انسان کو کن مقاصد کے حصول کے لئے بھیجا گیا؟ اِس بنیادی سوال پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، لیکن قولِ فیصل اُس خالقِ ارض وسما کا ہی رہا جس نے قرآن پاک میں فرمایا:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

ترجمہ: اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اِس آیتِ مبارکہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کی اس دُنیا میں آمد کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر چلے تاکہ عقائد، عبادات اور معاملات میں اس کا کردار ایسا ہو کہ معاشرے میں مساوات اور توازن پیدا کرنے کا سبب بنے۔

آج ہمارے اردگرد یہ جو عدم مساوات کے مظاہر جابجا دکھائی دیتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انسان احکاماتِ خداوندی کی من وعن پیروی کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل میں مصروف ہو گیا ہے۔

اب یہ ذمہ داری قوتِ نافذہ کی ہے کہ وہ ایسے قوانین وضع کرے کہ طاقتور کمزور کا اور امیر غریب کا استحصال نہ کر سکے۔ ہر شہری کو بلا تفریق رنگ ونسل، امارت وغربت، معذوری وغیر معذوری، تمام مواقع یکساں طور پر حاصل ہوں۔

اسی فلسفے کے تناظر میں حکومتِ پاکستان نے 2002ء میں جب افراد باہم معذوری کی رفاہ وفلاح کے لئے ایک مربوط پالیسی تشکیل دی تو اس واقعے کا کسی نے سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا۔ اس پالیسی کے مقاصد کے حصول کے لیے جب 2006ء میں ایک ایکشن پلان بنایا گیا تو اس بات کو نہایت اُمید افزا گردانا گیا لیکن یہ بات کسی کے وہم وگماں میں بھی نہ تھی

کہ ایکشن پلان، افراد باہم معذوری کی زندگیوں میں ایک بہت بڑا انقلاب لانے کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد کے لئے جب مرکزی حکومت نے دوست ممالک سے رابطہ قائم کیا تو دیرینہ دوست ملک جاپان نے خوشدلی سے حکومت پاکستان کا ہاتھ تھام لیا۔ اس طرح ایک منصوبہ برائے افراد باہم معذوری عمل میں آیا، جس کا نام اے سٹار پراجیکٹ رکھا گیا۔ اس منصوبے کا پائلٹ پراجیکٹ تیار کیا گیا اور اس کا اطلاق ایبٹ آباد کی بارہ یونین کونسلز میں کیا گیا۔ اس منصوبے کی تکمیل کے تین ادارے ذمہ دار تھے۔ ڈائریکٹر جنرل سپیشل ایجوکیشن، جاپان انٹرنیشنل کوآپریشن ایجنسی اور ایبٹ آباد کی ضلعی حکومت۔ اس منصوبے کا بنیادی مقصد افراد باہم معذوری کی معاشرتی سرگرمیوں کو بہتر بنانا تھا۔ دسمبر 2008ء میں وجود آنے والا اے۔ سٹار پراجیکٹ افراد باہم معذوری کی سماجی شمولیت کی بہتری کے لئے نہایت اعلیٰ خدمات سرانجام دے چکا ہے۔

''چاک پہ رکھے خواب'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ معذوری کے موضوع پر تخلیق کی گئی شاعری پر مشتمل ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ میں اس کی تالیف اور اشاعت پر جناب احمد حسین مجاہد اور اے سٹار پراجیکٹ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اِس کتاب کی تالیف و تکمیل میں جناب احمد حسین مجاہد نے نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ افراد باہم معذوری کی خدمات کے سلسلے میں ان کی یہ کاوش ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

اس کتاب سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ دانشورانِ قوم معذوری کے ساتھ منسلک مسائل کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسی کتاب میں افراد باہم معذوری کی شاعری بھی ہے جو ہمیں ان کے جذبات واحساسات سے آگاہ کرتی ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ''چاک پہ رکھے خواب'' کو خاطر خواہ پذیرائی حاصل ہوگی اور اس کے ذریعے افراد باہم معذوری کے ان کہے جذبوں کی تفہیم ہو سکے گی۔

عبدالواحد میر

(واحد سراج)

اُن کو جینے کی مہلت۔۔۔

۔مجید امجد۔

اُن کو جینے کی مہلت دے، جو تیرے بندوں کی خاطر جیتے ہیں
ورنہ۔۔۔تو۔۔۔اس نگری کا اک اک نگ کھوٹا ہے
۔۔۔کوئی نہیں جو ناتواں ذروں کا ساتھی ہو
کون ان کا راکھی ہے، صرف ان کی یہی دو آنکھیں
جن کی نگہداری میں زندہ ہیں یہ ناتواں ذرے
ذرے، جن میں عزتیں ٹمٹماتی ہیں اس گھر کی
جس پر مجوب اندیشوں کی چھت ہے
اُن آنکھوں میں جلنے والے مقدس ارمانوں کو روشن رکھ
میں اُن آنکھوں کے ارمانوں کے دُکھ میں جیتا ہوں
یہ دُکھ مجھ کو زندگی سے بھی عزیز ہے

اُن کو جینے کی مہلت دے
جن کے جیتے رہنے میں اس دُکھ اس غم کی عفت ہے
اُن کے دن تھوڑے ہوں
تو میری زندگی اُن کو دے دے
اُس ہونی کے ہونے تک تو۔۔۔اپنے ہونے تک تو۔۔۔میں ہوں
اِس وقفے کو ایسی راحتوں سے بھر دے
کچھ ایسی راحتیں
جو میں اُن دو آنکھوں کو دے سکوں
حیائیں جن کی زندگی ہیں

زندہ آواز

— محشر بدایونی —

معذور ہم کو مت کہو
مجبور ہم کو مت کہو
جس دن ہماری محنتیں
دیں گی جہاں کی نعمتیں
اس دن کُھلیں گی قسمتیں
کیا ہیں ہماری عظمتیں
بچے ہیں ہم لعل و گہر
روشن ہیں مانندِ قمر
ہم با سلیقہ ، با ہنر
ہر دم بلندی پر نظر

خورشید ہم مہتاب ہم
خدمت کا روشن باب ہم
ہیں جانتے آداب ہم
اندر سے ہیں شاداب ہم
معذور ہم کو مت کہو
مجبور ہم کو مت کہو

(انوکھی کہانیاں، کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

اوک

— محمد اظہار الحق —

میں نے ہمیشہ اوک سے پانی پیا
اپنے گاؤں کے چشموں سے
اور دُور افتادہ ندیوں سے
فلک بوس ہوٹلوں میں
خوش رنگ ریستورانوں میں
اور گھر کے باورچی خانے میں

میں نے ہمیشہ اوک سے پانی پیا
تا کہ مجھے
مٹی کی

اور دھات کی
اور کانچ کی
محتاجی نہ ہو
لیکن محتاج تو مجھے ہونا تھا
پہلے مجھے بتایا گیا کہ میرے ہاتھ مٹی کے ہیں
مٹی سے پانی گدلا ہو گیا
پھر میرے ہاتھ دھات کے کیے گئے
دھات کا ذائقہ پانی میں آ گیا
پھر میرے ہاتھ کانچ سے بنائے گئے
کانچ کے ہاتھ ٹوٹ گئے

اب میں اپنی کلائیاں جوڑتا ہوں
تو اوک نہیں بنتی
اور اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ
اوک میں پانی ہی نہیں
دُعا بھی ہوتی ہے

ہم سب ایک ہیں

—سلطان سکون—

یہ معذوری

کسی بھی نوع کی ہو

بازوؤں کی، ہاتھ پاؤں کی

سماعت کی، بصارت کی کہ اظہارِ بیاں کی

دل شکن ہے

میں تو بس یہ جانتا ہوں

سارے انساں ایک جیسے ہیں

کسی کی آنکھ ہوں میں

میرا بازو اور کوئی ہے

زباں میری ہے لیکن

داستانِ غم کسی کی ہے

اگر یوں ہے تو پھر یہ طے ہے

سب کو مل کے چلنا ہے

چلو! آؤ ہم اپنے آپ سے باہر نکل کر

ایک ہو جائیں

جسے بینائی کی حاجت ہے اس کی آنکھ بن جائیں

کسی کو اپنے پاؤں دیں

کسی کا ہاتھ بن جائیں

معذور

—آصف ثاقب—

برسوں سے یہ عالم ہے
معذورِ سماعت ہوں
بچپن میں رہا کتنا
محروم کہانی سے
پھر دورِ جوانی تھا
کانوں میں وہ سرگوشی
جو عہدِ محبت تھی
صحرا کی صدا بن کر
تفہیم سے خارج تھی
بوڑھا ہوں تو اب گھر میں
اولاد گریزاں ہے
معذورِ سماعت ہوں

جنگی معذور

۔کرنل فضلِ اکبر کمال۔

میں اب گو جسم وہ سارا نہیں ہوں
مگر سارا بھی ناکارہ نہیں ہوں
ترس کا بجتا نقارہ نہیں ہوں
میں سہل انگار و بے چارہ نہیں ہوں
میں تجھ سے زندگی ہارا نہیں ہوں

عجب گھمسان کا اک رن پڑا تھا
چلا ہتھیار ہر چھوٹا بڑا تھا
ہمارے درمیاں اک بم پھٹا تھا
برائے اِمتحاں میں بچ گیا تھا
کسی دہشت کا ہرکارہ نہیں ہوں
میں تجھ سے زندگی ہارا نہیں ہوں

میں اک جیون جو دوبھر ہوں تو پھر کیا
اسیرِ وہیل چیئر ہوں تو پھر کیا
میں غم آلودہ منظر ہوں تو پھر کیا
کہیں جاتا نہیں، گھر ہوں تو پھر کیا

سڑی مٹی، گرا گارا نہیں ہوں
میں تجھ سے زندگی ہارا نہیں ہوں

تڑپتا کیوں رہوں بسمل نہیں میں
کسی مایوسی کا قائل نہیں میں
کہا کس نے کسی قابل نہیں میں
صلائے عام ہے بزدل نہیں میں

کسل مندی کا گہوارہ نہیں ہوں
میں تجھ سے زندگی ہارا نہیں ہوں

میں کیوں ڈِھل مِل یقیں ہو کر اُڑوں گا
سمجھ کر سوچ کر آگے بڑھوں گا
سلیقے سے بلندی پر چڑھوں گا
میں اب ہر دو محاذوں پر لڑوں گا

میں گو اسکندر و دارا نہیں ہوں
میں تجھ سے زندگی ہارا نہیں ہوں

یہ خاص بچے

—عنایت علی خان—

یہ خاص بچے ہیں خاص ان کا خیال رکھنا
نظر میں اپنے نبیؐ کی ہر دم مثال رکھنا
سبھی سے کرتے تھے یوں تو پیارے نبیؐ محبت
مگر تھی بچوں پہ آپؐ کی حد سے بڑھ کے شفقت
تمھیں خدا نے جو اپنی رحمت سے دی ہے صحت
تو اس کے بدلے میں تم پہ لازم ہے شکرِ نعمت
بتائیں تم کو جو شکرِ نعمت کا ہے تقاضا
مدد کا ان اپنے بھائیوں کی کرو ارادہ
جو بے بصارت ہیں ان کی بن جاؤ تم بصارت
جو بے سماعت ہیں ان کی بن جاؤ تم سماعت

زبان ہوتے ہوئے بھی اُن میں جو بے زباں ہیں
تمھاری امداد کے وہ محتاج بے گماں ہیں
جو اپنے پیروں پہ چل نہ پائے کوئی بچارا
خوشی خوشی آگے بڑھ کے دینا اسے سہارا
جو خاص بچوں کی اس جہاں میں مدد کرو گے
تو جا کے جنت میں خاص انعام رب سے لو گے
یہ خاص بچے ہیں خاص ان کا خیال رکھنا
نظر میں اپنے نبیؐ کی ہر دم مثال رکھنا

(ساتھی، کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

سفید چھڑی

—پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال—

شعورِ ذات کی رُوحِ رواں سفید چھڑی
حریمِ دہر میں حق کی زباں سفید چھڑی

جو ہمتوں سے بصارت کا کام لیتے ہیں
انہی کے عزم کی ہے ترجماں سفید چھڑی

نہ جانے کتنے اندھیروں کو شرمسار کیا
جہادِ زیست کی اِک داستاں سفید چھڑی

جو دیکھ سکتے نہیں اس کی آنکھ سے دیکھیں
ستارہ ، چاند کبھی کہکشاں سفید چھڑی

اندھیرے زیست کی جب دھجیاں اُڑاتے ہیں
تراشتی ہے نئے جسم وجاں سفید چھڑی

جہادِ دہر میں اِک معتبر رفیقِ سفر
خود اپنے پاؤں پہ چلتا جہاں سفید چھڑی

ایک نظم

—واحد سراج—

مہرِ نیم روز نے اماوس کی رات سے
ساز باز کی
خنک لہجوں کی اجنبیت کی ٹھنڈک میں
لتھڑی تاریک باتیں
رُوح برماتے الفاظ
سرد مہری کے برفاب میں کاسنی ہوتے سرخ جذبے
سفید چھڑی کی درانتی
رستوں میں اُگی نوکیلی چٹانوں کی فصل
نہیں کاٹ سکتی

———

ہم خوابوں کا مستقبل ہیں

(خصوصی بچوں کے لیے ایک غنائیہ)

—افتخار مغل—

ہم خوابوں کا مستقبل ہیں
ہم روشنیوں کی منزل ہیں

ہم آج کے بہتے دھارے ہیں، ہم کل کے جگمگ تارے ہیں
ہم رات کی آنکھ کے جگنو ہیں، ہم دن کے راج دلارے ہیں
جو قرض ہیں سنتے کانوں پر وہ نغمے ہم سے پھوٹیں گے
جو دیکھتی آنکھوں پر بھاری وہ سارے خواب ہمارے ہیں
ہم خونِ عروقِ ہستی ہیں، ہم زیست کی رُوح میں شامل ہیں

ہم روشنیوں کی منزل ہیں
ہم خوابوں کا مستقبل ہیں

ہم وجہ فروغِ درد نہیں ، ہم درد بٹانے والے ہیں
جتنا لیتے ہیں دنیا سے ، دگنا لوٹانے والے ہیں
جو ہم کو بوجھ سمجھتے ہیں، خود بوجھ ہیں وقت کے شانوں پر
ہم بوجھ نہیں بلکہ دُنیا کا بوجھ اُٹھانے والے ہیں
ہم بازوؤں کے بل بوتے پر آگے بڑھنے کے قائل ہیں

ہم روشنیوں کی منزل ہیں
ہم خوابوں کا مستقبل ہیں

ہم مشعل مشعل ہاتھوں سے دنیا میں چراغاں کرتے ہیں
جیون کے پھیکے خاکے کو اپنے رنگوں سے بھر دیں گے
ہم دُھول سے پھول اُگائیں گے، ہم راکھ سے ساکھ بنائیں گے
ہم اپنا سوزِ اثر دیں گے، ہم اپنا فیضِ نظر دیں گے
ہم اپنے سارے خوابوں کو سچ کر دینے کے قابل ہیں

ہم روشنیوں کی منزل ہیں
ہم خوابوں کا مستقبل ہیں

مری آنکھوں سے دیکھو

—امان اللہ خان امان—

مرے چہرے پہ لکھی ساری تحریریں
مرے دکھ کی علامت ہیں
کہ تم سکھ کی خبر رکھو
مجھے ماں نے جو چلنے کا سبق ازبر کرایا ہے
وہ تم کو دے کے جاؤں گی
کہ تم انسان کی جانب بھی چلنے کا ہنر سیکھو
قلم لکھتا ہے میرا، خوب لکھتا ہے
یہ سب کچھ میں تمھارے نام لکھتی ہوں
مری تحریر پر تم دھیان دو گے تو
تمھیں محسوس ہوگا

میں تمھاری بات لکھتی ہوں

مری آنکھوں کی بینائی سے دیکھو گے

تو ہر ذرے میں تم اِک نور کی

قوسِ قزح کے رنگ دیکھو گے

مری حسِ لطافت

تم کو اُس پوشیدہ خوشبو سے ملائے گی

جسے تم چھو نہیں سکتے

مری بیساکھیاں میرے مقدر کا حوالہ ہو نہیں سکتیں

کہ میں اپنا مقدر خود بناتی ہوں

مری کرسی کا پہیہ گھومتا ہے تو

زمیں بھی گھومتی ہے

اور صبحِ نو افق سے روشنی لاتی ہے

لیکن یہ بتاؤ

اے مرے ہمدرد تم۔۔۔!

اس داستانِ خدمتِ خلقِ خدا میں

کس جگہ موجود لگتے ہو

———

دھنک کا زِینہ

-یامین-

ذرا سن لوں!
تری آواز جو پربت سے لوٹی ہے
تری آنکھوں کی حسرت
بادلوں کے ساتھ واپس آئی ہے
دل سے محبت نے
نئے پیمان کا چرچا کیا ہے
خواب ویرانی میں زیرِ خاک
یوں اپنی نمو کے رس میں ڈوبے ہیں
کہ جیسے سیمیا ملفوف رحمِ مادری میں ہو

ذرا سن لوں!

خرامِ ناز کے وہ سب پرانے نقش

خوابوں میں یہ کہتے ہیں

میں تیری 'چیئر' کا رُخ اس طرف موڑوں

جہاں گیندے کے پھولوں میں

دھنک کا ایک زینہ سا اُترتا ہے

WORLD AS WILL AND IDEA

—ڈاکٹر محمد سفیان صفی—

سنا ہے گھن تناور پیڑ کو اندر ہی اندر چاٹ جاتا ہے
سنا ہے سبز موسم میں جو فصلیں پک رہی ہوں
اُن کو کہرا مار دیتا ہے
سنا ہے تیرگی میں آئینے بے نُور رہتے ہیں
ہوں میں بھی ایک ایسا آئینہ جو تیرگی کی زد میں رہتا ہے
مرے اندر کی تاریکی نگلنا چاہتی ہے میری آنکھیں
مگر میں دیکھ سکتا ہوں
مری بے نُور آنکھوں نے
پئے تنویر صدہا آفتابوں کو تراشا ہے
منور ہے مرا وہ آئینہ خانہ

جسے تاریکیاں مسمار کرنے پر تلی ہیں
مگر تاریکیوں کی کوکھ میں پلتی ہیں جتنی کہکشائیں
وہ مری مٹھی میں رقصاں ہیں
میں ہومر کی طرح نغموں کی ایسی کہکشاں تخلیق کرتا ہوں
کہ جس کی روشنی میں دیکھتی ہیں اَن گنت آنکھیں
مری یہ اوڈیسی اور ایلیڈ بینائی رکھنے والی آنکھوں میں
سویرے بھر رہی ہے
میں ملٹن کی طرح اندھا ہوں لیکن
مری گم گشتہ جنت کی طلب نوعِ بشر کا خواب ٹھہری ہے
میں اندھا دیوتا ہوں پر
مرے اندھے بدن کے ہر بنِ مو سے
اُجالے پھوٹتے ہیں
میں اندھا ہی سہی لیکن ہوں ایسا دیو قامت
جس کے شانوں پر
نحیف و ناتوں بینائی رکھنے والی ایسی آنکھ بیٹھی ہے
جو ہر کوہِ گراں سے خوف کھاتی ہے
مجھے رستہ دکھاتی ہے

میں شوپنہار کی تمثیل کا کردار ہوں گویا
مری ہمت وہ تیشہ ہے جو ہر کوہِ گراں کو توڑ کر
رستہ بناتی ہے
مجھے جینا سکھاتی ہے

☆World as Will and Idea، مشہور فلسفی شوپنہار کی ایک کتاب کا نام ہے۔

بیساکھیاں

—محمد حنیف—

ہوا چلتی ہے باغوں میں
بدن کے ڈھیر پر پتے گئے موسم کے گرتے ہیں
اُداسی چُپ کی چادر اوڑھ کر
گلیوں میں پھرتی ہے
درخت اِک گیت گاتے ہیں پہاڑی میں
مصیبت کا لہو اُس گیت کے چہرے پہ ہوتا ہے
کہ جب بیساکھیاں پکڑے
کوئی بارش میں چلتا ہے

سلام حوصلہ مندوں کو ساری دھرتی کا

—آمنہ بہار—

وہ جن کے ہست کی دیوار میں دراڑ پڑی
وہ جن کے گیت دبے رہ گئے ہیں سینے میں
وہ جن کا حسن و جوانی غموں کی بھینٹ چڑھی
وہ جن کے خواب ستارے بنے ہیں مژگاں پر
یہ لوگ عام نہیں ہیں، بڑے خواص ہیں یہ
نہ ہیچ اِن کو سمجھنا، عظیم لوگ ہیں یہ
یہ لوگ اپنے ارادوں میں ہیں چٹانوں سے
ہمارے ساتھ جلاتے ہیں یہ چراغ نئے
یہ صحنِ فکر میں گلشن نئے کھلاتے ہیں
اندھیری رات میں سورج نئے اُگاتے ہیں

تراشتے ہیں کئی خواب اور خیال نئے
تمھارے حسن میں خود کو تلاش کرتے ہیں
سلام عزم و ارادہ کے اِن چراغوں کو
سلام حوصلہ مندوں کو ساری دھرتی کا

سفید چھڑی

-ڈاکٹر ضیا الرشید-

ایک ہی شاخ نُور کی جس پر
سات رنگوں کے پھول کھلتے ہیں
کسی منشور سے گزر کر لو
ایک قوسِ قزح بناتی ہے
میرے ہاتھوں میں یہ سفید چھڑی
لوگ کہتے ہیں شاخ نُور کی ہے
ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں سب شاید
میں ہی ناواقفِ حقیقت ہوں
رنگ کیا چیز ، نُور کیا شے ہے
میری تقدیر تیرگی ہے مگر
لمسِ جاناں تری قسم میرے

ہاتھ روشن ہیں تیری آنکھوں سے

میرے ہاتھوں میں یہ سفید چھڑی

نُور کی ایک شاخ ہے جس پر

میں نے اپنی دھنک کھلائی ہے

معذوری

امتیاز الحق امتیاز

معذوری کو اک ہنر بناؤں
ویساکھیاں معتبر بناؤں

اک درد پروئے کار لا کر
آنسو آنسو گہر بناؤں

تجربہ حیات لے کے آیا
اب عشق اِدھر اُدھر بناؤں

بے مہر زمانے تجھ سے بھری
بیتی تو نہیں مگر بناؤں

اُمید کا بُت بناؤں جب بھی
مایوسی کو توڑ کر بناؤں

آئے اب انقلاب کوئی
ایوانِ شکستہ پر بناؤں

گم سم ہوں میں امتیاز پھر بھی
خاموشی پُر اثر بناؤں

نابینا

—شبہ طراز—

سنا ہے

یہ جہاں اس نے سجایا تھا

رنگوں کے آبگینے سے

دھنک تھی سات رنگوں کی

ہزاروں رنگ تھے پھولوں میں کلیوں میں

ہزاروں رنگ، نیلے، کاسنی، پیلے، سنہری، ارغوانی

جامنی، اودے، ہرے، روپہلی اور دھانی

کئی رنگوں کی آنکھیں تھیں۔۔کئی رنگوں کے سپنے تھے

بہت سی مچھلیاں تھیں ان گنت رنگوں کی

اور بڑے رنگیں سمندر تھے

کہ جن کے پانیوں میں

رنگ بہ رنگے موتیوں کے سیپیوں کے سب خزانے تھے
فضا میں پنچھیوں کے دلربا نغموں کی آوازیں،
پروں میں رنگ تھے کتنے

سنا ہے
اس جہاں میں رنگ ہی رنگ تھے،
مگر۔۔۔ یہ بھی سنا ہے
اب یہاں بس ایک دو رنگوں سوا کچھ بھی نہیں ہے
لہو کی سرخ رنگت ہے۔۔۔ سیاہ کالا دھواں ہے

بس۔۔۔!
خدایا! یاد ہے تجھ کو ؟
مجھے تو نے اتارا تھا تو آنکھیں پاس رکھ لی تھیں
خدایا۔۔۔! شکر یہ تیرا
کہ میں کچھ دیکھ نہ پائی،
کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔۔۔!

اسپیشل بچوں کے لیے ایک نظم

—افسر منہاس—

بظاہر یہ لگتا ہے رنجور ہوں
نظر آرہا ہے کہ معذور ہوں
مجھے تم نہ سمجھو کہ ہوں غمزدہ
بہت اپنے باطن میں مسرور ہوں

میں ہوں دوسروں سے ذرا مختلف
چمن کی ہے میرے ہوا مختلف
ہر اک رنگ ہے اس جہاں کا حسیں
ہے ہر فرد سے دوسرا مختلف

نہ مجھ پر ہنسو تم خدا کے لیے
کہ سب کی طرح میں بھی انسان ہوں
خدا کی نظر میں برابر ہیں سب
خدا کی ہوں مخلوق ذِی شان ہوں

اگرچہ بصارت نہ مجھ کو ملی
بصیرت سے اپنی ہوں سرشار میں
اگر کم ہے کچھ ذہن کی روشنی
مرا دل چمکتا ہے سنسار میں

نہ تو دیکھ ہاتھوں میں بیساکھیاں
رواں سوئے منزل ہوں یہ دیکھ تو
ہے کیا غم جو ہوں راہ پہ سست گام
مجھے میری منزل کی ہے جستجو

ہے کیا غم جو آتا نہیں بولنا
اشاروں سے سن لو کہانی مری
سمجھتے ہیں جو لوگ میری زباں
زباں بن گئی بے زبانی مری

ہے کیا غم جو کوئی کجی رہ گئی
اگر مجھ میں کوئی کمی رہ گئی
کمی ہے ہر اک فرد میں کچھ نہ کچھ
خوشی بھی ہے اس درد میں کچھ نہ کچھ

خواب سے باہر

-ڈاکٹر عاکف اللہ-

میرے ساتھ بھی خوب ہوا تھا

برسوں پہلے

میں نے اک بوسیدہ دستر خوان میں اپنے

میلے دن اور اندھی راتیں

گیلا تکیہ

ایک ہی جوتا

اور اک بے ہودہ خواب کہ جس میں

ایک سنپولا

کئی عصائیں نگل نگل کے

موٹا اژدر بن جاتا ہے

گس کے لپیٹے

ہاں!

یہ وہ بوسیدہ دسترخوان تھا جس میں

باسی نان کی باس بسی تھی

جس میں اماں روز کسی کے گھر سے ٹکڑے لے آتی تھی

اور پھر ان کو اپنے اشکوں میں ہی بگھو کر

دھیمی آنچ پر رکھ دیتی تھی

اس کپڑے کے ٹکڑے کے اک کونے پر

میرے باپ کے ماتھے کی شکنیں

اماں نے کاڑھ رکھی تھیں

تاکہ ہم پہچان سکیں کہ

یہ عسرت بس اپنی ہے

ہاں تو میں نے اس کپڑے میں

چند اک میلے دن اور اندھی راتیں

گیلا تکیہ

ایک ہی جوتا

ایک سنپولا

کئی عصائیں ایک نوالہ کر جاتا ہے

اور اک اژدر بن جاتا ہے

باندھ کے اپنے صحن میں، میں نے

گاڑ رکھی تھی

برسوں بعد جب اماں مر گئیں

ابا مر گئے

مجھ کو اپنا بھولا دفینہ

اک دن یکدم یاد آیا

جلدی جلدی کھود نکالا

دیکھتا ہوں کہ وہی سنپولا

خواب کی پرتیں پھاڑ کے

میرے میلے دن اور اندھی راتیں

گیلا تکیہ

اور اک جوتا نگل رہا تھا

اندھیرا بسر کرنے والے کی کتھا

-اختر رضا سلیمی-

یہ روشنی ہے بہر حال آنکھ کا پردہ
اسے ہٹانا ضروری ہے بیچ سے ورنہ
پہنچ نہ پاؤ گے تم دہر کی حقیقت تک

....

اگرچہ ایک حقیقت ہے روشنی بھی مگر
اندھیرا دہر کی سب سے بڑی حقیقت ہے
میں اس کے بارے میں، تم سے زیادہ جانتا ہوں
کہ تم نے دیکھا ہے، میں نے بسر کیا ہے اِسے
سمجھنا چاہتے ہو دہر کو تو سمجھو مجھے
وگرنہ بھول بھلیاں تمہاری قسمت ہے

لگن

—تاج الدین تاج—

زندگی سے ہے جاری لڑائی مری
میری بیساکھیاں میرا ہتھیار ہیں
میری ہمت
مرا حوصلہ
مثلِ کُہسار ہے
ساری خوشیوں پہ حق ہے برابر مرا
مجھ کو مل کر رہے گا مقدر مرا
مجھ کو میرے خدا نے
سکھایا ہے جینے کا فن
میرا رستہ نہیں روک سکتے
یہ کوہ و دمن

مَیں

—جانِ عالم—

کسی آنگن کو جا کے مل نہ سکی
چاندنی تھی مگر میں کھل نہ سکی
میری راتیں بھی مجھ سے رُوٹھ گئیں
میری انگڑائیاں بھی ٹوٹ گئیں
ہجر کے دن نہ وصل کی راتیں
بے ڈھنگے روگ، بے سُری باتیں
خواب گُل سڑ گئے مرے سارے
جوش بھی ماند پڑ گئے سارے
میں کسی دل میں بھی سما نہ سکی
میں کسی کو نظر بھی آ نہ سکی
میری آنکھوں میں بس حیا ہی رہی
مجھ سے یہ زندگی خفا ہی رہی

سفید چھڑی

—اعجاز نعمانی—

ہوا تمھارے ہی گیت گائے
نسیمِ صبحِ وطن
تمھارے خرامِ نازاں سے فیض پائے
صبا کے جھونکے
تمھاری خوش بو کا استعارا

ستارے سارے
تمھارے نقشِ قدم کے
ذروں کی روشنی سے چمک رہے ہیں
فضا میں سرگوشیاں تمھاری
فلک تحیر کا آئینہ ہے
رہی زمیں ماں تو

تو اس کے ذمہ تمھارا قرضِ ہنر ہے باقی
جہاں میں جتنی بھی رونقیں ہیں
یہ سب تمھارے ہی دم قدم سے فروغ پائیں
مگر!
وہ سربستہ خواب زاروں کے سلسلے
جو تمھاری آنکھوں کے گم دریچوں سے
دور پیچھے کہیں پہ بے انت وسعتوں پر
محیط جذبوں، خیال و خواہش کے خوش گماں
منظروں سے آگے نکل گئے ہیں
وہ راز کیا ہیں
ہماری سوچوں سے ماورا ہیں

وہ کہتی ہے

—پرویز ساحر—

وہ کہتی ہے
مجھے دیکھو
مری گُل روئی بھی دیکھو
مری بے نور آنکھوں کے پسِ پردہ
دروں کی روشنی دیکھو
وہ کہتی ہے
مری آنکھیں بہت ہی خوبصورت ہیں

مجھے معذور مت جانو

—عبدالوحید بسمل—

مجھے معذور مت جانو، میں سارے کام کرتا ہوں
کہاں تھکتا ہوں محنت سے، کہاں آرام کرتا ہوں

ہنر سیکھا ہے میں نے دوسروں کے کام آنے کا
میں اپنی ساری خوشیاں دوسروں کے نام کرتا ہوں

میں اپنی زندگی کو اب نئے پہلو دکھاتا ہوں
میں کلیوں میں سحر اپنی، گلوں میں شام کرتا ہوں

کبھی ہاتھوں کو پھیلا کر کسی سے کچھ نہیں مانگا
میں خودداری کی دولت کو کہاں نیلام کرتا ہوں

یہ معذوری کبھی طعنہ تو بن سکتی نہیں بسمل
کہ میں دنیا میں ہمت کی صدائیں عام کرتا ہوں

ہم زندہ ہیں

—واحد اعجاز میر—

ہم زندہ ہیں
ہم خوش ہیں اپنے ہونے سے

لوگ ہمارے چہرے پڑھتے رہتے ہیں
اور ہم لوگوں کی آنکھیں
ہم تو جیسے کھلی ہوئی آیات ہیں
اپنے خالق کی
ہر تخلیق میں خالق خود بھی ہوتا ہے

ہم جو چاہیں کر نہیں پائیں
ایسے بھی لاچار نہیں

زندہ رہنا ایسا بھی آزار نہیں
دشوار نہیں

ہم بیمار رویے دیکھ کے
ڈر بھی جاتے ہیں
رحم میں لپٹی ہمدردی سے
مر بھی جاتے ہیں

معذور بچے کی دُعا

—عبدالحمید عابد—

مالک ہے ، طاقتور ہے تُو
ہر غم کا چارہ گر ہے تُو
دنیا تری تنظیم ہے
قسمت تری تقسیم ہے
دکھ درد تیرے ہاتھ ہے
میرے خدا کیا بات ہے
لڑکوں کو گاتا دیکھ کر
باتیں بناتا دیکھ کر
راتوں کو جب سوتا ہوں میں
اس سوچ میں ہوتا ہوں میں

غفار ہے ، عادل ہے تو
انصاف کا عامل ہے تو
ہمدرد ہے عادل ہے تو
دکھ درد میں شامل ہے تو
میری مصیبت دور ہو
راحت سے دل معمور ہو

(انوکھی کہانیاں، کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

ہم ہیں عالی شان

— عظیم عامر —

عزم کے پیکر ہم بچے ہیں، خدمت ہے ایمان
آگے آگے چلتے رہنا، اپنا ہے اعلان
محنت ہی سے ہو جائے گی ہر مشکل آسان
اپنے کاموں سے کر دیں گے دنیا کو حیران
ہم بچے معذور ہیں لیکن ہم ہیں عالی شان

روکیں گے ہم راہ بدی کی، نیکی ہو گی عام
فرمایا جو پاک نبیؐ نے، کرنا ہے وہ کام
گلشن ہو گا سچائی کے پھولوں سے گلفام
پاک وطن کے ہر ذرے کی ہو گی اونچی شان
ہم بچے معذور ہیں لیکن ہم ہیں عالی شان

علم ہماری دولت ہے اور عمل ہمارا کام
لازم ہے استاد کی خدمت ہم پر صبح و شام
اپنی ملت کا دنیا میں ہو گا اونچا نام
حق کی خاطر جینا مرنا، ہے اپنا ایمان
ہم بچے معذور ہیں لیکن ہم ہیں عالی شان

(ساتھی، کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

خاص بچے

—محمد انور احمد—

ہم میں بات اگر کچھ کم ہے
ہم کو نہیں کچھ اس کا غم ہے
خوبی دوسری کوئی دے دی
ہم پر رب کا خاص کرم ہے
ہر دم اس کا رکھو پاس
سن لو ہم ہیں بچے خاص

جو کچھ اپنے پاس نہیں ہے
ہم کو کچھ احساس نہیں ہے
کوئی ہمیں یہ طعنہ مت دے
طعنہ ہم کو راس نہیں ہے

ہر دم اس کا رکھو پاس
سن لو ہم ہیں بچے خاص

پیار اگر تم ہم سے کرو گے
خوش ہم بھی اور تم بھی رہو گے
کل ہم سب کے ساتھ چلیں گے
آج ہمارا ساتھ جو دو گے
ہر دم اس کا رکھو پاس
سن لو ہم ہیں بچے خاص

(انوکھی کہانیاں، کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

سیکھتے کیوں نہیں

—محمد ظفر اقبال—

سیکھتے کیوں نہیں وہ اندھوں سے
وہ جو آنکھوں میں نور رکھتے ہیں
شکر یزداں کا کیوں نہیں کرتے
وہ جو خود پر غرور رکھتے ہیں
وہ جو لاغر ہیں اس جہان میں تو
وہ بھی رب کا شعور رکھتے ہیں
کیوں وہ معذور سے گریزاں ہیں
جو خوشی کا سرور رکھتے ہیں
سوچتا ہو گا کیا خدا اس دم
جب وہ انساں کو دُور رکھتے ہیں
کیوں نہیں فرض وہ نبھاتے ظفرؔ
جو دُکھوں کا شعور رکھتے ہیں

(پیغام ڈائجسٹ، کراچی کے شکریہ کے ساتھ)

غزل

—عائشہ گُل—

اپنی آنکھوں سے سوچتی ہوں میں
اور پوروں سے دیکھتی ہوں میں

جو بھی حالت ہے میرے اندر کی
سب سے بہتر ہی جانتی ہوں میں

اِک عجب ٹوٹ پھوٹ جاری ہے
اپنے اندر بکھر رہی ہوں میں

رات بھر جاگتے میں سوتی ہوں
اور سوتے میں جاگتی ہوں میں

اتنی وحشت ہے اپنے ہونے سے
آپ اپنے سے بھاگتی ہوں میں

میرا ہو کر بھی جو نہیں میرا
دل و جاں اُس پہ وارتی ہوں میں

کوئی بس بھی مرا نہیں چلتا
لاکھ اس دل کو ٹوکتی ہوں میں

گرچہ نابینا ہوں مگر اے گُل
دل کی آنکھوں سے دیکھتی ہوں میں

غزل

-عائشہ گُل-

زندگی یوں تو مرے خواب ہرے رکھتی ہے
سبز موسم سے مگر مجھ کو پرے رکھتی ہے

جب بھی میں مانگتی ہوں اپنے سوالوں کے جواب
آگہی ہونٹ پہ بس ہونٹ دھرے رکھتی ہے

دل کی دہلیز پہ اُس رشکِ پری زاد کی یاد
پاؤں رکھتی ہے تو کس طور ارے ! رکھتی ہے

چاہے آئیں کہ نہ آئیں وہ مگر عائشہ گُل
اپنی آنکھوں کو سرِ راہ دھرے رکھتی ہے

قطعہ

-عائشہ گُل-

موت سے پہلے زندگی دی ہے
غم دیا ساتھ ہی خوشی دی ہے

میری بینائی چھین کر اُس نے
مجھ کو اندر کی روشنی دی ہے

نابینا لڑکی کے خواب

—ظلِ ہما—

وہ مری کاپی کو چھوتی ہے

کتابوں کے ورق ایسے اُلٹتی ہے

کہ جیسے جانتی ہو

ان میں کیا لکھا ہوا ہے

وہ قلم سے لوحِ نادیدہ پہ

اپنے خواب لکھتی ہے

وہ مسطر سے

زمین و آسماں کی وسعتوں کو ناپتی ہے

میرا بستہ اُس کے خوابوں سے

بھرا ہے

میں اَندھی نہیں ہوں

(ایک لڑکی کا گیت)

—احمد حسین مجاہد—

شاخِ پژمردہ سے
آخری پات کی آخری گفتگو کی اداسی
ہوا کا تجسس
بکھرتے ہوئے زرد پتے
میں سب دیکھتی ہوں
سرابوں کے اُس پار بہتے ہوئے ٹھنڈے چشموں کا
سارا تحیر مری آنکھ میں ہے
اُبھرتا ہوا چاند
کھڑکی میں رکھے ہوئے پھول

تنہا گلی میں اکیلے مسافر کے نقشِ کفِ پا
میں سب دیکھتی ہوں
کبھی سرمئی شام آنگن کی بیلوں میں چھپکے
تو روشن دیا آئینے کے کناروں سے
چھپ کے مجھے دیکھتا ہے
کوئی جب مجھے دیکھتا ہے
تو میں بھی اسے دیکھتی ہوں
مری آنکھ کے ان اندھیروں کے پیچھے
بہت روشنی ہے
میں اندھی نہیں ہوں
میں سب دیکھتی ہوں

وہیل چیئر

—احمد حسین مجاہد—

مجھے اپنے تختِ سلیماں کے پہیوں کی گردش بہت ہے

رگ و پے سے میں بازوؤں کی طرف

انتقالِ حرارت سے

وہ حسن تخلیق کرتا ہوں جو

سرمدی وسعتوں میں سماتا نہیں ہے

یہ پُر پیچ پیچیدہ رستے، یہ بل کھاتی پگڈنڈیاں

یہ پہاڑوں کے دامن میں آباد کچے گھروندے

مری دسترس میں ہیں

فطرت کی سرگوشیاں

شش جہت سے مجھے گدگداتی ہیں

لیکن۔۔۔

یہ اُونچی عمارات

یہ پختہ سڑکیں

شکوہِ تفکر کے نادر مظاہر

یہ نامہربانی کی اُونچی فصیلیں۔۔۔!

اس نے گُل کرتے ہوئے میرے چراغ
مجھ سے عارف اِک ذرا پوچھا نہیں

عجب قصہ ہے کیونکر سوچتا ہے
بجھی آنکھوں سے منظر سوچتا ہے
(عارف کاشمیری)

کس جرم میں چھینی گئیں مجھ سے مری آنکھیں
ان میں تو کوئی خوب سجایا بھی نہیں تھا
(کوثر ثمرین)

سبھی پہ جس کا ہے عکس وہ بے مثال دیکھا
نظر نہ تھی تو نظر کا میں نے کمال دیکھا
(احمد حسین مجاہد)

The modern psychology leads us to choose the objective of self actualization as the only motive of our life. All moral, religious and varied codes of conduct prevalent in life stand for this same objective. From this point of view the persons with disabilities (PWDs) are as much the part of society as the persons with Non disabilities

The book in hand " Chaak pey Rakhey Khwab" is a collection of poems which reflects the way poets look at this issue and the message they give in these poems is that of love and equality. Hence, all PWDs in their personal capacities are entitled to undertake all possible endeavors to achieve this objective of self actualization in their lives and everybody in the society must play their roles in promoting and supporting them in their efforts to this end.

Amaanullah Khan Amaan